

لیڈروں نے لعنت ملامت کی: "تو پھر تمہیں تھانیدار سے بات چیت کرنا، ہم لوگ پاس نہ جائیں گے۔ کون گھر کیاں کھائے؟"
 زوری نے پیشوری کے قدم پر سر رکھ دیا: "بھیا، میرا ادھار کرو۔ جب تک جیوؤں گا تمہاری تابعداری کروں گا۔"

داروغہ جی نے پھر اپنے چوڑے سینے اور بڑے پیٹ کا پورا زور لگا کر کہا: "کہاں ہی میرا گھر؟ میں اس کے گھر کی تلاشی لوں گا۔"
 پیشوری نے آگے بڑھ کر داروغہ جی کے کان میں کہا: "تلاشی لے کر کیا کرو گے سرکار؟ اس کا بھائی آپ کی تابعداری کے لئے حاجر (حاضر) ہو۔"
 دونوں آدمی ذرا الگ جا کر بائیں کرنے لگے۔
 "کیسا آدمی ہے؟"

"بہت ہی گریب (غریب)، ہجور (حضور) کھانے کا ٹھکانا بھی نہیں۔"
 "سچ؟"

"ہاں ہجور (حضور) ایمان سے کہتا ہوں۔"
 "ارے تو کیا ایک پچاسے کا بھی ڈول نہیں ہے؟"
 کہاں کی بات سرکار! دس مل جائیں تو ہزار بھئے۔ پچاس تو پچاس ہم میں بھی ممکن نہیں اور وہ بھی جب کوئی مہاجن کھڑا ہو جائے۔"
 داروغہ جی نے ایک منٹ تک غور کر کے کہا: "تو پھر اسے ستانے سے کیا فائدہ؟ میں ایسوں کو نہیں ستا تا جو آپ ہی مر رہے ہوں۔"
 پیشوری نے دیکھا کہ نشانہ اور آگے جا پڑا۔ بولے: "نہیں سرکار ایسا نہ کریں، نہیں تو پھر ہم کہاں جائیں گے۔ ہماری پاس دوسری کوئی بھتی ہے؟"
 "تم علاقے کے پٹواری ہو جی، کسی باتیں کرتے ہو؟"

جب ایسا ہی کوئی موقع آجاتا ہی، آپ کی بدولت ہم بھی پا جاتے ہیں،
نہیں تو پٹواری کو کون پوچھتا ہی؟“

”اچھا جاؤ تیس روپے دلوادو، بیس روپے ہمارے اور دس تمہاری“
”چار مکھیاں ہیں، اس کا تو خیال کیجئے؟“

”اچھا نصف نصف پر رکھو اور جلدی کر دیجئے دیر ہو رہی ہی۔“
پیشوری نے جھنگری سے کہا۔ جھنگری نے ہوری کو اشارے سے بلایا،
اپنے گھر لے گئے۔ تیس روپے گن کر اسے دئے اور احسان رکھتے ہوئے بولے
”آج ہی کا گد (کاغذ) لکھ دینا۔ تمہارا منہ دیکھ کر روپے دے رہا ہوں تمہاری بھلنسی پر“
ہوری نے روپے لئے اور انگو پچھے کے چھوڑ میں باندھے ہوئے خوش
خوش داروغہ جی کی طرف چلا۔

یکایک دھینا جھپٹ کر آگے آئی اور انگو چھا ایک جھٹکے کے ساتھ
اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ گانٹھ مضبوط نہ تھی۔ جھٹکے کے زور سے کھل گئی اور
سارے روپے زمیں پر بکھر گئے۔ ناگن کی طرح پھینکار کر بولی ”یہ روپے کہاں
لئے جا رہا ہی؟ بتا! بھلا جا رہا ہی تو سب روپے لوٹا مجھے نہیں کہے دیتی ہوں!
گھر کے آدمی رات دن مریں، دانے دانے کو ترسیں، چنپیٹھرا پہننے کو نہ ملے
اور انجلی بھر روپے لے کر چلا ہی اجت (عزت) بچانے! ایسی بڑی ہی تیری اجت
جس کے گھر میں جو بے لوثی وہ بھی اجت والا ہی! درد کا (درد و غم) تلاسی ہی
تو لے گا، لے لے جہاں چاہی تلاسی۔ ایک تو سو روپے کی گائے گئی، اس
پر یقین! واہ رے تیری اجت!“

ہوری لہو کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ کل جمع جیسے تھرا اٹھا۔ لیڈروں کے
سر جھک گئے اور تھانیدار کا منہ ذرا سا نکل آیا۔ اپنی زندگی میں ان کی ایسی

تو میں نہ ہونی تھی۔

ہوری بچہ سا کھڑا رہا۔ زندگی میں آج پہلی بار دھینا نے اسے بھرے اکھاڑے میں پٹک دیا، آسمان نکا دیا۔ اب وہ کیسے سراٹھائے؟
مگر داروغہ جی اتنی جلد مارا منے والے نہ تھے، کھسیا کر بولے ”مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ اس شیطان کی خالہ نے ہیرا کو پھنسانے کو لڑی گائے کو خود زہر دیدیا ہے۔“
دھینا ہاتھ ٹٹکا کر بولی۔ ”ہاں دے دیا۔ اپنی گلے تھی، مار ڈالی پھر؟ کسی دوسرے کا جاتو تو نہیں مارا؟ تمھاری چارچ میں یہی نکلتا ہے تو یہی لکھو۔ پہنا دو میرے ہاتھ میں ہتھکڑی۔ دیکھ لیا تمھارا نیاؤ اور تمھاری بڑی کی پہنچ کرے یوں (غریبوں) کا گھلا کاٹنا دوسری بات ہے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کرنا دوسری بات ہے۔“

ہوری آنکھوں سے انگارے برساتا دھینا پر جھپٹا کر گوبر آگے کھڑا ہو گیا اور تیزی سے بولا۔ ”اچھا دادا! اب بہت ہوا۔ نیچھے بہت جاؤ نہیں تو میں کہے دیتا ہوں کہ میرا منہ نہ دیکھو گے۔ تمھارے اوپر ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ ایسا کہتے نہیں ہوں۔ مگر یہیں گلے میں پھانسی لگا لوں گا۔“

ہوری نیچھے ہٹ گیا اور دھینا شیر ہو کر بولی۔ ”نو ہٹ جا گوبر! دیکھو تو وہ کیا کرتا ہے میرا! درد گاجی بیٹھے ہیں، اس کی بہت دیکھوں۔ گھر میں تلاشی ہونے سے اس کی اجت جانی ہے، اب نہ ہی تو بیروں کا دھرم ہے! بڑا بیر ہے تو کسی مرد سے لڑا میں کی بائیں پکڑ کر لایا اسے، مار کر بیر نہ دکھا دے گا۔ تو سمجھتا ہوگا کہ میں اسے روٹی کپڑا دیتا ہوں تو بے آج سے اپنا گھر نکال۔ دیکھو تو کہ اسی گاؤں میں تیری چھانی پر مونگ دل کر رہتی ہوں کہ نہیں اور تیرے

گھر سے اچھا کھاؤں گی، اچھا پہنوں گی۔ جی یس آوے تو دیکھ لے!“
ہوری مغلوب ہو گیا۔ اسے معلوم ہوا کہ عورت سے مرد کننا کمزور ہے
کتابے بس۔

لیڈروں نے روپے چن کر اٹھالئے تھے اور داروغہ جی کو دہاں
سے چلنے کا اشارہ کر رہی تھے کہ دھینا نے ایک ٹھوکر اور جانی۔ جس کے روپے
ہوں اسے لے جا کر دے دو، ہمیں کسی سے ادھار نہیں لینا، اور جو دنیا ہی تو اسکی
سے لینا۔ میں دمڑی بھی نہ دوں گی چاہے مجھے حاکم کی کچہری تک جانا پڑے
ہم باکی (بانی) چکلنے کو بچیں روپے مانگتے تھے تو کسی نے نہ دیا آج انجلی بھر
روپے ٹھناٹھن نکال کر دے دئے۔ میں سب جانتی ہوں، یہاں تو حصہ
بانٹ ہونے والا ہے۔ سب ہی کے منہ میٹھے ہونے۔ یہ ہتیارے گانوں کے
مکھیا ہیں۔ گریبوں کا کھون (خون) پینے والے۔ سود بیاج، ڈیرھی سوئی
بخر (نذر) بھینٹ، گھوس رسوت، جیسے ہو گریبوں کو لوٹو۔ اس پر سوراج
چاہیے۔ جہل جانے سے سوراج نہ ملے گا۔ سوراج ملے گا دھرم سے
نیاؤ سے۔“

لیڈروں کے منہ میں کا لکھ سی لگ گئی تھی اور داروغہ جی کے منہ پر
جھاڑو سا پھر گیا تھا۔ اپنی اپنی عزت رکھنے کے لئے ہیرا کے گھر کی طرف چلے۔
راستے میں تھانیدار نے تسلیم کیا۔ ”عورت ہی بڑی دلیر!“
پیشوری لالہ بولے۔ ”دلیر کیا ہو سرکار، کرکسا ہی۔ ایسی عورت کو تو گوئی
مار دے۔“

”تم لوگوں کا قافیہ تنگ کر دیا اس نے۔ چار چار تو ملتے ہی۔“
”سرکار کے بھی تو پندرہ گئے۔“

”میرے کہاں جاسکتے ہیں نہ دے گا تو گانوں کے مکھیا دیں گے اور پندرہ کی جگہ پورے پچاس روپے! آپ لوگ فوراً انتظام کیجئے۔“
 پیٹھوری نے ہنس کر کہا: ”سرکار بڑے دل لگی باز ہیں۔“
 داتا دین بولے: ”بڑے آدمیوں کے بھی کھن ہیں۔ ایسے بھاگو انوں کے درشن کہاں ہوتے ہیں۔“

داروغہ نے سخت لہجے میں کہا: یہ چا پلوسی پھر کیجئے گا۔ اس وقت تو مجھے پچاس روپے دلائے نقد، اور یہ سمجھ لو کہ آنا کافی کی نو میں چاروں کے گھر کی تلاشی لوں گا۔ بہت ممکن ہے کہ تم نے ہیرا اور ہوری کو پھنسا کر ان سے سو پچاس انیٹھ لینے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔“

یڈر لوگ ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ داروغہ جی مذاق کر رہے ہیں۔
 جھنگری سنگھ نے آنکھ مار کر کہا: نکالو پچاس روپے، پٹواری صاحب! نوکھے رام نے تائید کی: ”پٹواری صاحب کا الاکا (علاقہ) ہرا نہیں آپ کی کھاطر (خاطر) کرنی ہی چاہیے۔“

بندت نوکھے رام کی چوپال آگئی۔ داروغہ جی ایک پٹنگ پر بیٹھ گئے اور بولے

تم لوگوں نے کیا طے کیا؟ روپے نکالتے ہو یا تلاشی کراتے ہو۔
 داتا دین نے عذر کیا: ”مگر سرکار.....“

”میں اگر مگر کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

جھنگری سنگھ نے جرات کی: ”سرکار یہ تو سراسر.....“

میں پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں اگر اتنی دیر میں پورے پچاس نہ آگئے تو سب کے گھروں کی تلاشی ہوگی اور گنڈا سنگھ کو جانتے ہو۔ اس کا مارا بانی

نہیں ہانگتا۔

پیشوری نے تیز ہو کر کہا: ”آپ کو اختیار ہے۔ تلاشی لے لیں۔ یہ آپ کا دل لگی ہے کہ کام کون کرے اور کچھ کون جائے“

”میں نے پچیس سال تنہا ننداری کی ہے۔ جانتے ہو“

”لیکن ایسا اندھیر تو کبھی نہیں ہوا“

تم نے ابھی اندھیر دیکھا کہاں؟ کہو تو وہ بھی دکھا دوں۔ ایک ایک کوپا پانچ سال کے لئے بھیج دوں۔ یہ میرے بایں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ایک ڈاکے میں کل گانوں کو کالا پانی دلا سکتا ہوں۔ اس دھوکہ میں نہ رہنا۔“

چاروں آدمی چوپال کے اندر جا کر صلاح کرنے لگے۔

پھر کیا ہوا کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں، داروغہ جی خوش و خرم نظر آ رہے تھے اور چاروں آدمیوں کے منہ پر لعنت برس رہی تھی۔

داروغہ جی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو چاروں لیڈر لوگ پیچھے دوڑ رہے تھے گھوڑا دور نکل گیا تو لوٹے اس طرح گویا کسی عزیز کی لاش جلا کر مر گھٹ سے لوٹ رہی ہوں۔

یہ ایک داتا دین بولے: ”میرا سراپ (بددعا) نہ پڑے تو منہ نہ کھڑے“

نوکھے رام نے تائید کی: ”ایسا دھن کبھی پھلتے نہیں دیکھا۔“

پیشوری نے پنشنین گوئی کی: ”حرام کی کمائی حرام میں جائے گی“

جھنگری سنگھ کو آج خدائی انصاف میں شبہ پڑ گیا تھا۔ جھگوان نہ جانے

کہاں ہے کہ یہ اندھیر دیکھ کر بھی پاپیوں کو ڈنڈ نہیں دیتا۔

اس وقت ان لوگوں کی تصویر کھینچنے لائی تھی۔

ہیرا کا کہیں پہ نہ چلا۔ اور دن گزرتے جاتے تھے۔ ہوری سے جہاننگ بن پڑا دوڑ دھوپ کی، پھر بار کر بیٹھ رہا۔ کھیتی باڑی کی بھی فکر کرنی تھی۔ اکیلا آوی کیا کیا کرتا؟ اور اب اپنی کھیتی سے زیادہ فکر تھی۔ پنیا کی کھیتی کی۔ پنسا اب تنہا ہو کر ادب بھی تیز پڑ گئی تھی۔ ہوری کو اب اس کی خوشامد کرتے گزرتی تھی ہیرا تھا وہ پنیا کو دبائے رہتا تھا۔ اس کے چلے جلنے سے اب پنیا پر کوئی آنکس نہ رہ گیا تھا۔ ہوری کی مخالفت ہیرا سے تھی۔ پنیا عورت تھی۔ اس سے وہ کیا تنا تہی کرتا۔ اور پنیا اس کے مزاج سے واقف تھی اور اس کی شرافت کا اسے خوب مزاج بکھاتی تھی۔ خیریت یہی ہوئی کہ کارندہ صاحب نے پنیا سے بقایا لگان دعو کرنے کے لئے کوئی سختی نہیں کی، صرف تھوڑی سی نذر بار کر راضی ہو گئے۔ درنہ ہوری اپنے بقایا کے ساتھ اس کا بقایا ادا کرنے کے لئے بھی قرض لینے کو تیار تھا۔ سادوں میں دھان لگانے کی ایسی کثرت رہی کہ مزدور نہ ملے اور ہوری اپنے کھیتوں میں دھان نہ لگا سکا۔ لیکن پنیا کے کھیتوں میں کیسے نہ لگائے جاتے؟ ہوری نے پہر پہر رات گئے تک کام کر کے اس کے دھان لگائے۔ اب ہوری ہی تو اس کا محافظ ہو۔ اگر پنیا کو کوئی تکلیف ہوئی تو دنیا اس کو تو ہنسے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہوری کو خریف کی فصل میں بہت تھوڑا اناج ملا اور پنیا کے یہاں دھان رکھنے کی جگہ نہ تھی!

ہوری اور دھنیا میں اس دن سے برابر کشیدگی چلی آتی تھی۔ گوبر سے بھی ہوری کی بول چال بند تھی۔ ماں بیٹے نے مل کر گویا اس کا بایکاٹ کر دیا تھا۔ اپنی

گھر میں پر دیسی بنا ہوا تھا۔ دو کشتیوں میں سوار ہونے والے کی جو درگت ہوتی ہو رہی اس کی ہو رہی تھی۔ گناؤں میں بھی اب اس کی اتنی عزت نہ تھی۔ دھینا اپنی بہت سی صرف عورتوں کی نہیں بلکہ مردوں کی بھی لیڈر بن بیٹھی تھی۔ بہینوں تک قرب و جوار کے علاقوں میں اس واقعے کا خوب چر چار ہوا۔ حتیٰ کہ وہ ایک آسمانی صورت اختیار کرتا جاتا تھا۔ دھینا نام ہی اس کا بھی یا دیوی کا اثر تھا۔ اسے۔ داروغہ جی نے جوں ہی اس کے آدمی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی کہ دھینا نے دیوی کو یاد کیا دیوی اس کے سر اگنی پھرتو اس میں انہی سکت آگنی کہ اس نے ایک ہی جھٹکے میں اپنے مرد کی ہتھکڑی توڑ ڈالی اور داروغہ کی موٹھیں پکڑ کر اکھاڑ لیں، پھر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھی۔ داروغہ نے جب بہت منت کی تب جا کر اسے چھوڑا۔ کچھ دن تو لوگ دھینا کے درشن کو آتے رہے۔ وہ بات تو پرانی پڑ گئی مگر گناؤں میں دھینا کی عزت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس میں عجیب بہت ہی جو دقت پر مردوں کے بھی کان کاٹ سکتی ہو۔

مگر رفتہ رفتہ دھینا میں ایک تبدیلی ہو رہی تھی۔ ہو رہی کو پنا کی کھیتی میں لگا ہوا دیکھ کر بھی وہ کچھ نہ بولتی تھی۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ وہ ہو رہی کی طرف سے بالکل بے پروا ہو گئی تھی بلکہ اس لئے کہ پنا پر اب اسے رحم آتا تھا، ہیرا کا گھر کو بھاگ جانا اس کا بدلا پورا کرنے کے لئے کافی تھا۔

اسی اثنائیں ہو رہی کو بخار آنے لگا۔ فصلی بخار پھیلا ہی تھا۔ ہو رہی بھی اسی کی زد میں آگیا۔ اور کئی سال کے بعد جو بخار آیا تو اس نے سارا بقایا وصول کر لیا۔ ایک مہینے تک ہو رہی بستر پر پڑا رہا۔ اس بیماری نے ہو رہی کو تو کچل ہی ڈالا۔ مگر دھینا پر بھی فتح حاصل کر لی۔ شوہر جب مر رہا ہی تو اس سے کیسا بیر؟ ایسی حالت میں تو بیویوں سے بھی بیر نہیں رہتا پھر وہ تو اپنا ہی مردہ لاکو ہراندہ گراؤں کے ساتھ

زندگی کے پچیس سال کٹے ہیں۔ آرام ملا ہی تو اسی کے ساتھ ادرکلیف جھیلی ہو تو اسی کے ساتھ۔ آپ چلبے وہ اچھا ہی یا برا، اپنا ہی۔ داری جارنے مجھے سب کے سامنے مارا۔ سارے کانوں کے سامنے میرا پانی اتار لیا۔ لیکن تب سے کتنا لجاتا ہی کہ سیدھے تاکتا بھی نہیں۔ کھانے آتا ہی تو سر جھکائے کھا کر اٹھ جاتا ہی، ڈرتا رہتا ہے کہ میں کچھ کہہ نہ بیٹھوں۔

ہوری جب اچھا ہوا تو شوہر وزن میں میل ہو گیا تھا۔ ایک دن دھینانے کہا: "تمہیں اتنا گستہ (غصہ) کیسے آگیا؟ مجھے تو تمہارے اوپر کتنا ہی گستہ آدے پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گی۔" ہوری نادام ہو کر بولا: "اب اس کا چرچانہ کر دھینا۔ میرے اوپر کوئی جھوٹ سوار تھا۔ اس کا مجھے کتنا دکھ ہوا ہی یہ میں جانتا ہوں۔" "ادر جو میں بھی اسی رس میں ڈوب مری ہوتی؟" "تو کیا میں رونے کے لئے بیٹھا رہتا؟ میری لاش بھی تیرے ساتھ چتا پر جاتی۔"

"اچھا چپ رہو، بے بات کی بات مت بکو۔" "گائے گئی سو گئی، میرے سر ایک برتا ڈال گئی۔ پنیاک چنتا مجھے مارے ڈالتی ہی۔"

اسی لئے تو کہتے ہیں کہ بھگوان گھر کا بڑا نہ بناوے۔ جھوٹوں کو کوئی نہیں ہنستا، نیکی ہی سب بڑوں کے سر جاتی ہی۔

ماگھ کے دن تھے۔ مہاوٹ لگ رہی تھی، گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ایک تو جاڑوں کی رات دوسرے ماگھ کی برکھا، موت کا سناٹا تھا۔ ہوری کھانا کھا کر پنیاکے مٹر کے کھیت کی میڈ پر اپنی جھونپڑی میں لیٹا ہوا تھا۔ چاہتا تھا کہ ٹھنڈ کو

بھول جائے اور سو رہے مگر تار تار کھیل اور پھٹی ہوئی مرضائی اور ٹھنڈے گیلا پوال
 اتنے بیروں کے سامنے آنے کی ہمت نیند میں نہ تھی۔ آج تمباکو بھی نہ ملا کہ اس
 سے دل بہلتا۔ اپلا سلگ لایا تھا۔ پردہ بھی ٹھنڈے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ بوائی پھٹے
 پیردوں کو پیٹ میں ڈال کر اور ہاتھوں کو رانوں کے بیچ میں دبا کر اور کھل میں منہ
 چھپا کر اپنے ہی گرم سانسوں سے اپنے کو گرمی پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا پانچ
 سال ہوئے یہ مرضائی بنوائی تھی۔ دھینا نے ایک طرح سے جبراً بنوا دی تھی۔ وہی
 جب ایک بار ایک کابلی سے کپڑے لئے تھے جن کے کچھ کتنی آفت ہوئی اور کتنی
 گالیاں کھانا پڑیں، اور یہ کھل تو اس کے جنم سے بھی پہلے کا ہی۔ بچپن میں اپنے
 باپ کے ساتھ وہ اس میں سوتا تھا، جوانی میں سوتا تھا، جوانی میں گوبر کو لے کر اس
 کھل میں اس کے جاڑے کٹتے تھے اور بڑھاپے میں آج وہی بوڑھا کھل اس کا
 ساتھی ہی مگر اب وہ کھانے کو چلنے والا دانت نہیں بلکہ دکنے والا دانت ہے۔
 زندگی میں ایسا تو کوئی دن ہی نہیں آیا کہ زمیندار اور مہاجن کو دے۔ کبھی کبھار
 ہوا اور میٹھے بٹھائے یہ ایک حجلال پڑ گیا۔ نہ کرو تو دنیا ہنسے اور کرو تو یہ کھٹکا لگا
 رہی کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ سب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پتیا کو لوٹے لیتا ہے۔ اور اس کی
 ساری اونچ اپنی گھر میں بھرے لیتا ہے۔ احسان تو کیا ہوگا انا کلنگ لگتا ہے۔ اور
 ادھر بھولا کئی بار یاد دلا چکے ہیں کہ کہیں سگانی کا ڈول کرو، اب کام نہیں چلتا۔ سو بھا
 اس سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ پتیا کا خیال اس کی طرف سے اچھا نہیں ہے۔ نہ ہو
 پتیا کی گرسی تو اسے سنبھالنی ہی پڑے گی، چاہی ہنس کر سنبھالے یا رو کر۔ دھینا کا
 دل بھی ابھی تک صاف نہیں ہوا۔ ابھی تک اس کے دل میں ملال بھرا ہوا ہے۔
 مجھے سب آدمیوں کے سامنے اسے مارنا نہ چاہیئے تھا۔ جس کے ساتھ کچھ سال
 بیت گئے اسے مارنا اور کل گائوں کے سامنے مارنا میرا کینہ بن تھا۔ مگر دھینا

تو میری آبرو اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میرے سامنے سے کیسا کترا کر جاتی جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہیں۔ کوئی بات کہنی ہوتی تو سونا یا روپا سے تی۔ دیکھتا ہوں کہ اس کی ساڑی پھٹ گئی ہے۔ مگر کل مجھ سے کہا بھی تو سونا کی رڑی کے لئے۔ اپنی ساڑی کا نام تک نہ لیا۔ سونا کی ساڑی ابھی دو ایک پہننے جوڑ گاٹھ کے چل سکتی ہے اس کی ساڑی تو تھیک گردوں (ہوندوں) سے بالکل گدری ہو گئی ہے۔ اور پھر میں ہی کون اس کا من رکھ رہا ہوں؟ اگر میں ہی اس کے من کی دو چاریاں کرنا رہتا تو کون چھوٹا ہو جاتا۔ یہی تو ہوتا کہ وہ تھوڑا سا منادون کراتی دو چار لگنے والی باتیں سناتی، تو کیا مجھے چوٹ لگ جاتی؟ پھر میں بوڑھا ہو کر بھی اتو بنارہا۔ وہ تو کہو اس بیماری نے اگر اسے نرم کر دیا، نہیں تو نہ جلنے کب تک منہ پھلائے رہتی۔ اور آج ان دونوں میں جو باتیں ہوئی تھیں وہ گویا بھوکے کے لئے غذا تھیں۔ وہ دل سے بولی تھی اور ہوری گمن ہو گیا تھا۔ جی میں آیا کہ اس کے پیروں پر سر رکھ دے اور کہے "میں نے تجھے مارا ہے تو لے میں بھی سر جھکائے دیتا ہوں مگر چاہے مار لے، جتنی گالیاں دینا چاہی دے لے"

یہ ایک اسے جھونپڑی کے سامنے چوڑیوں کی جھنکار سنائی دی! اس نے کان لگا کر سنا، ہاں کوئی ہے۔ پڑوسی کی لڑکی ہوگی یا چاہے پنڈت کی گھر والی ہو۔ مٹر اکھاڑنے آئی ہوگی، نہ جانے کیوں ان لوگوں کی نیت اتنی کھوٹی ہے سارے گائوں سے اچھا پہننے ہیں، گھر میں ہزاروں (ہزاروں) روپے گڑے ہوئے ہیں، لین دین کرتے ہیں۔ ڈیڑھی سوائی چلاتے ہیں، گھوس لیتے ہیں دستوری لیتے ہیں، ایک نہ ایک معاملہ کھڑا کر کے اسے اسے پیستے ہی رہتے ہیں، پھر بھی نیت کا یہ حال! باپ جیسا ہوگا دیسی ہی سنستان (اولاد) بھی تو ہوگی اور آپ نہیں آتے عورتوں کو بھیجتے ہیں۔ ابھی اٹھ کر ہاتھ پکڑلوں تو کیا پانی رہ جائے؟

چھوٹا کہنے کو چھوٹا ہے پھر جو بڑا ہے اس کا جی تو اور بھی چھوٹا ہے عورت جات کا تو ہاتھ بھی نہیں پکڑتے بنتا۔ آنکھوں دیکھ کر بھی مکھی ٹھکنی پڑتی ہے، اکھاڑے بھائی جتنا تیراجی چاہے سمجھ لے کہ میں نہیں ہوں۔ بڑے لوگ اپنی لالچ نہ رکھیں چھوٹوں کو تو ان کی لالچ رکھنی ہی پڑتی ہے۔“

مگر نہیں، یہ تو دھینا ہی، پکار رہی ہے۔

دھینا نے پکارا، ”سو گئے کہ جا گئے ہو“

ہوری جھپٹ کر اٹھا اور جھونپڑی کے باہر آیا۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ دیوی گمن ہو کر اسے بروان دینے آئی ہے، اس کے ساتھ ہی اس بادل بوندی لہر جاڑے پالے میں اتنی رات گئے اس کا آنا اندیشے کی بات تھی۔ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے۔

بوللا: ٹھنڈ کے مارے نیند بھی آتی ہے۔ تم اس جاڑے پالے میں

کیسے آئیں؟ سب کسل تو ہے۔“

”ہاں سب کسل ہے۔“

گوہر کو بھیج کر مجھے کیوں نہیں بلوایا۔“

دھینا نے کوئی جواب نہ دیا۔ جھونپڑی میں آکر پوال پر بیٹھتی ہوئی بولی

”گوہر نے تو منہ پر کا لکھ لگادی، اس کی کرنی کا کیا پوچھتے ہو؟ جس بات کو میں ڈرتی ہوں وہی ہو کر رہی۔“

”کیا ہوا کیا؟ کسی سے مار پیٹ کر بیٹھا؟“

اب میں کیا جانوں، کیا کر بیٹھا؟ چل کر پوچھو اسی رانڈ سے!“

کس رانڈ سے؟ کیا کہتی ہو تو؟ بورا تو نہیں گئی ہے؟“

ہاں بورا کیوں نہ جاؤں گی، بات ہی ایسی ہوئی ہے کہ چھاتی دونی

ہو جائے۔

ہوری کے دل میں روشنی کا ایک طویل خط کھنچ گیا۔

”صاف صاف کیوں نہیں کہتی؟ کس رانڈ کو کہہ رہی ہے؟“

”اسی جھنیا کو اور کس کو!“

”تو جھنیا کیا یہاں آئی ہے؟“

”اور کہاں جاتی؟ پوچھتا کون؟“

”گو بر کیا گھر میں نہیں ہے؟“

”گو بر کا کہیں پتہ نہیں، جانے ہاں بھاگ گیا۔ اسے پانچ مہینے کا

پیٹ ہے۔“

ہوری سب کچھ سمجھ گیا۔ گو بر کو بار بار اہیرن ٹوڑ جاتے دیکھ کر وہ

تھک گیا۔ مگر اسے کھلاڑی نہ سمجھتا تھا۔ نوجوان میں کچھ لگاوٹ ہوتی ہی ہے

اس میں کوئی نئی بات نہیں مگر جس روئی کے گالے کو نیلے آسمان میں ہوا کے

جھوکوں کے سے اڑنا دیکھ کر وہ صرف مسکرا دیا تھا، وہی سارے آسمان

میں پھیل کر اس کے راستے کو اتنا تاریک بنا دے گا، یہ تو کوئی دیوتا بھی

نہ جان سکتا تھا۔ گو بر ایسا بد چلن! وہ سیدھا سادا اور گنوار جسے وہ ابھی بچہ

سمجھتا تھا! مگر اسے بھوج پڑ جانے کی فکر نہ تھی، پنچایت کا خوف نہ تھا،

جھنیا کیسے گھر میں رہے گی، اس کی فکر اسے نہ تھی، اسے فکر تھی تو گو بر کی۔

لڑکا شرمیلا ہے، اماڑی ہے پانی دار ہے، کہیں کوئی نادانی نہ کر بیٹھ۔

گھبرا کر بولا۔ جھنیانے کچھ کہا نہیں کہ گو بر کہاں گیا؟ اس سے

تو کہہ کر ہی گیا ہو گا۔“

دھنیا جھجلا کر بولی۔ ”تمھاری اکل (عقل) تو گھاس کھا گئی ہے۔“

اس کی چہیتی تو یہاں بیٹھی ہو۔ وہ بھاگ کے جائے کہاں؟ یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہوگا۔ دودھ کھوڑے ہی پیتا ہے کہ کھو جائے گا۔ مجھے تو اس کل منہی (سیاہ رو) جھینا کی چٹنا ہو۔ کہ اسے کیا کروں۔ اپنے گھر میں تو میں چھین بھر بھی نہ رہنے دوں گی۔ جن دن گائے لانے گیا ہے اسی دن سے دونوں میں تاک جھانک ہونے لگی ہے۔ پیٹ نہ رہتا تو ابھی بات نہ کھلتی۔ مگر پیٹ رہ گیا تو جھینا لگی گھڑانے۔ کہنے لگی کہ کہیں بھاگ چلو۔ گوبر نالتا رہا۔ ایک عورت کو ساتھ لے کے کہاں جائے، کچھ نہ سوچا۔ پر رجب آج وہ سر ہو گئی کہ مجھے یہاں سے لے چلو نہیں تو میں جان دے دوں گی، تو بولا تو چل کر میرے گھر میں رہ کوئی کچھ نہ بولے گا۔ میں اماں کو مناؤں گا۔ تب یہ کل منہی اس کے ساتھ چل پڑی کچھ دور تو وہ آگے آگے آتا رہا پھر نہ جانے کدھر سرک گیا۔ یہ کھڑی کھڑی اسے پکارتی رہی جب رات بھیگ گئی اور وہ نہ لوٹا تو یہ بھاگی ہوئی یہاں چلی آئی۔ میں نے تو کہہ دیا ہے کہ جو کیا ہے اس کا پھل بھوگ۔ ابھا گئی نے میرے لڑکے کو چوٹ کر دیا۔ تب اسے بیٹھی رو رہی ہے، اٹھتی ہی نہیں۔ کہتی ہو کہ اپنے گھر کون منہ سے جاؤں؟ بھگوان ایسی سنان کر تو بانجھ ہی رکھے تو اچھا۔ بلیبرے ہوتے ہوتے سارے گائوں میں کاؤں کاؤں بچ جائے گی۔ ایسا جی ہوتا ہے کہ بس کہ لوں، میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ میں اپنے گھر میں نہ رکھوں گی۔ گوبر کو رکھنا ہو تو اپنے سر پر رکھے، میرے گھر میں ایوں کے لئے جگہ نہیں ہو اور اگر تم بچ میں بولے تو پھر یا تو تم رہو گے یا میں رہوں گی۔ ہو ری بولا۔ تجھ سے بنا نہیں۔ اسے گھر میں آنے ہی نہ دینا چاہیے

تھا۔

”سب کچھ کہہ کے ہار گئی، اٹتی ہی نہیں، دھڑنا دے بیٹھی ہو۔“
 اچھا چلن! دیکھوں کیسے، نہیں اٹھتی۔ گھسیٹ کر باہر نکال دوں گا۔“

داری جا رہو لاسب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پرچپ ہی سادھے بیٹھا رہا۔ باپ بھی ایسے بے چارے ہوتے ہیں۔“

وہ کیا جانتا تھا کہ ان میں کیا کچھڑی پک رہی ہے؟
 ”جانتا کیوں نہیں تھا؟ گو بر رات دن گھیرے رہتا تھا تو کیا اس کی آنکھیں پھوٹ گئی تھیں؟ سوچنا چاہیے تھا نا کہ یہاں کیوں دوڑ دوڑ کر آتا ہے؟“
 ”جل میں جھینا سے پوچھتا ہوں نا۔“

دونوں جھونڈی سے نکل کر گانوں کی طرف چلے۔ ہوہری نے کہا: ”پانچ گھڑی رات سے اوپر گئی ہوگی۔“
 دھینا بولی: ”ہاں اور کیا۔ مگر کیا سوتا پڑ گیا ہے کہ کوئی چور آئے تو گانوں

بھر کو لوٹ لے جائے۔“

”چور ایسے گانوں میں نہیں آتے۔ امیروں کے گھر آتے ہیں۔“

”دھینا نے ذرا رک کر ہوہری کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی: ”دیکھو سور (شور) نہ

مچانا نہیں سارا گانوں جاگ اٹھے گا اور بات پھیل جائے گی۔“

ہوہری نے سخت لہجے میں کہا: ”میں یہ کچھ نہیں جانتا۔ ہاتھ پکڑ کر گیسٹ لاؤں گا۔ اور گانوں کے باہر کر دوں گا۔ بات تو ایک دن کھلنی ہے۔ پھر آج ہی کیوں نہ کھل جائے؟ وہ میرے گھر آئی کیوں؟ جائے جہاں گوہر ہو اس کے ساتھ کرم (بداعمالی) کیا تو کیا ہم سے پوچھ کر کیا تھا۔“

دھینا نے پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے کہا: ”تم اس کا ہاتھ پکڑ دے

تو چلائے گی۔“

”تو چلا یا کرے۔“

”مدا (مگر) انہی رات گئے اس اندھیرے، سناٹے میں جائے گی کہاں،

یہ تو سوچو۔“

”جائے جہاں اس کے گئے ہوں۔ ہمارے گھر میں اس کا کیا رکھا ہے؟“
 ”ہاں۔ پر اتنی رات گئے گھر سے نکالنا ٹھیک نہیں۔ پاؤں بھاری ہے
 کہیں ڈر ڈرا جائے تو اور آپہنت (آفت) ہو۔ ایسی دسائیں کچھ کرنے دھرتے
 بھی تو نہیں بننا۔“

ہیں کیا کرنا ہے، مرے یا بچے۔ جہاں چاہے جائے۔ کیوں اپنے منہ میں
 کالکھ لگاؤں؟ میں تو گوبر کو بھی نکال باہر کر دینگا ”دھینا نے بہت متفکر ہو کر کہا۔“ کالکھ
 تو جو لگتی تھی وہ تو لگ چلی۔ وہ تو اب جیتے جی نہیں چھوٹ سکتی، گوبر نے ناؤ ڈبا دی
 گوبر نے، ہیں ڈبائی، ڈبائی اسی نے۔ وہ تو بچہ تھا۔ اس کے پہنچے
 میں آگیا۔“

”کسی نے ڈبائی ہو، اب تو ڈوب ہی گئی۔“

”دونوں دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ دفعتاً دھینا نے ہوری کے
 گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا: دیکھو تمہیں میری سوگند، اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ وہ تو
 آپ ہی رو رہی ہے۔ بھاگ کی کھوٹی نہ ہوتی تو یہ دن ہی کیوں آتا۔“

ہوری کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ دھینا کی یہ نوالی محبت اس تاریکی میں
 بھی گویا چراغ کی طرح اس کی فکر مند صورت کو منور کر رہی تھی۔ دونوں کے
 دل میں گویا گزرا ہوا شباب جاگ اٹھا تھا۔ ہوری کو اس ڈھیلی ہوئی عورت
 میں بھی وہی نرم دنازک دل دالی لڑکی نظر آئی جو بچپن سال پہلے اس کی
 زندگی میں شالی ہوئی تھی۔ اس گلے لگنے میں بھی کتنا اتھاہ پریم تھا جو ساری
 کلنگ، ساری تکلیفوں اور سب ہی رواجی بندشوں کو اپنے اندر سمیٹے
 لیتا تھا۔

دونوں نے دروازے پر آکر کواڑ کی درازوں سے اندر جھانکا۔ ڈیوٹ پرتیل کی کپڑی جل رہی تھی اور اس کی دھندلی روشنی میں جھینا گھٹنے پر سر رکھے، دروازے کی طرف منہ کئے، اندھیرے میں اس خوشی کو تلاش کر رہی تھی جو ابھی ایک لمحہ قبل اپنا دل فریب جلوہ دکھا کر غائب ہو گئی تھی۔ وہ آفت کی ماری طنز کے تیروں سے زخمی اور زندگی کے صدموں سے پریشان کسی بیڑ کی چھاؤں کھوجتی پھرتی تھی اور اسے ایک مکان مل بھی گیا تھا، جس کی پناہ میں وہ خود کو محفوظ و مسرور سمجھ رہی ہو مگر آج وہ مکان اپنے سارے سکھ کا ساز و سامان لئے ہوئے الہ دین کے شاہی محل کی طرح غائب ہو گیا تھا اور مستقبل ایک خوفناک دیو کی طرح اسے نکل جانے کو کھڑا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلتے اور ہوری کو آتے دیکھ کر وہ خوف سے کانپتی ہوئی اٹھی اور ہوری کے قدموں پر گر کر روتی ہوئی بولی: دادا! اب تھاری سوائے مجھے دوسرا ٹھوڑ نہیں ہے، چاہے مارو، چاہے کاٹو پر اپنے ددارے سے دُر در اومت!

ہوری نے جھک کر ٹیپھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا: ڈروٹ بیٹی، ڈروٹ، تیرا گھر ہے، تیرا ددار ہے، تیرے ہم ہیں۔ آرام سے رہ جی تو بھولا کی بیٹی ہی، دیسی ہی میری بیٹی ہے۔ جب تک ہم جیتے ہیں کسی بات کا کھٹکا مت کر۔ ہمارے رہتے کوئی بچے بیڑھی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے گا برادری کو بھوج جو لگے گا وہ سب ہم دے دیں گے۔ تیرے لئے کوئی چنتا کی بات نہیں۔“

جھینا یہ دلا سا پا کر اور بھی ہوری کے قدموں سے لپٹ گئی اور بولی: دادا! اب تم ہی میرے باپ ہو، اور اماں! تم ہی میری ماں ہو۔ میں انا تھا

ہوں۔ مجھے سرن (پناہ) دو۔ نہیں تو میرے کا کا اور بھائی مجھے کچا کھا جائیں گے۔
 دھینا رقت کے جوش کو اب نہ روک سکی۔ بولی: تو چل گھر میں بیٹھ،
 میں دیکھ لوں گی کا کا اور بھتیہ کو سنسار میں ان ہی کا راج نہیں ہے۔ بہت کریں گے
 اپنے گھنے لے لیں گے۔ پھینک دینا اتار کر!“

ابھی ذرا دیر پہلے دھینا نے غصے کے جوش میں جھینا کو ایھا گئی، کلنکن اور
 کل منہی، بجانے کیا کیا کہہ ڈالا تھا۔ جھاڑو مار کر گھر سے نکالنے جا رہی تھی، اب
 جو جھینا نے محبت، عفو اور نیکی سے بھرے ہوئے یہ کلمے سنے تو ہوری کے
 پاؤں چھوڑ کر دھینا کے پاؤں سے لپٹ گئی اور وہی پاکباز عورت جس نے
 ہوری کے سوا کسی مرد کو آنکھ بھر کر دیکھا بھی نہ تھا، اس پاپی جھینا کو گلے لگا کر
 اس کے آنسو پونچھ رہی تھی اور اس کے دہے ہوئے دل کو اپنی ملایم باتوں
 سے تسلی دے رہی تھی، جیسے کوئی چڑیا اپنے بچوں کو پروں میں جھپائے بیٹھی
 ہو!“

ہوری نے دھینا کو اشارہ کیا کہ اسے کچھ کھلا پلا دے اور جھینا کو
 پوچھا: ”کیوں بیٹی، تجھے کچھ معلوم ہے کہ گوبر کدھر گیا ہے؟“
 جھینا نے سسکتے ہوئے کہا: ”مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔ میرے کارن
 تمہارے اوپر.....“ یہ کہتے کہتے اس کی آواز آنسوؤں سے رک گئی۔

ہوری اپنی بے چینی نہ چھپا سکا۔
 ”جب تو نے آج اسے دیکھا وہ کچھ دکھی تھا؟“
 ”بائیں تو منس منس کے کر رہے تھے۔ من کا حال رام جانے!“
 ”تیرا من کیا کہتا ہے؟ ہر گانوں ہی میں کہ کہیں باہر چلا گیا؟“
 ”مجھے تو شک ہوتا ہے کہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔“

”یہی میرا من بھی کہتا ہے کیسی نادانی کی، ہم اس کے پیری تھوڑے ہی تھے۔ جب بھلی یا بُری ایک بات ہو گئی تو اسے بنا ہنسا پڑتا ہی اس طرح بھاگ کر تو اس نے ہماری جان سنگٹ میں ڈال دی۔“

دھینا نے جھینا کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہوئے کہا: ”منہ چور کہیں کا! جس کی بائہ پکڑی اس کا بٹا کرنا چاہیے کہ متھ میں کا لکھ پوت کر بھاگ جانا چاہیے؟ اب تو آوے تو گھر میں گھسنے نہ دوں۔“

ہوری وہیں پُوال پر بیٹھا۔ گوہر کہاں گیا؟ یہ سوال اس کے دل کے آسمان میں کسی پرند کی طرح منڈلانے لگا۔

ایسے غیر معمولی واقعہ پر گائوں کی جو کچھ ہل چل مچنا چاہیے تھی وہ مچی اور
 مہینوں تک بجتی رہی۔ جھینیا کے دونوں بھائی لاٹھیاں لئے گوبر کو کھوجتے پھرتے
 تھے۔ بھولانے قسم کھائی کہ اب نہ جھینیا کام نہ دیکھیں گے اور نہ اس گائوں کا
 ہوری سے انھوں نے اپنے بیاہ کی جو بات چیت کی تھی وہ اب بند ہو گئی تھی۔
 اب وہ اپنی گائے کے روپے لیں گے اور نقد، اور اس میں دیر ہوئی تو ہوری
 پر دعویٰ کر کے اس کا گھر بار نیلام کرالیں گے۔ گائوں والوں نے ہوری کو
 برادری سے خارج کر دیا۔ کوئی اس کا حق نہیں پتیا، نہ اس کے گھر پانی پتیا ہر
 کنویں سے پانی بند کر دینے کی کچھ بات چیت تھی مگر دھینا کا غصہ سب دیکھ چکے
 تھے۔ بس کسی کو آگے آنے کی ہمت نہ پڑی۔ دھینا نے سب کو سنا کر کہہ دیا
 کہ کسی نے اسے پانی بھرنے سے روکا تو اس کا اور اپنا خون ایک کر دوں گی۔
 اس للکار نے سب ہی کے پتے پانی کر دئے۔ سب سے دکھی ہو جھینیا جہا
 کے سبب یہ سارا ہنگامہ ہو رہا ہے اور گوبر کی کوئی کھوج خبر نہ ملنا اس دکھ کو اور بھی
 بڑھانے دیتا ہے، تمام دن منہ چھپائے گھر میں پڑی رہتی ہے۔ باہر نکلے تو چاروں
 طرف سے طنز و تیروں کی بارش ہوتی ہے کہ جان بچا نا شکل ہو جانا ہے۔ دن
 بھر گھر کا کام دھندا کرتی رہتی ہے اور جب فراغت پانی ہی تو رو دیتی ہے۔ ہر
 وقت تھر تھر کا پنتی رہتی ہے۔ کہ دھینا کہیں کچھ کہہ نہ بیٹھے صرف کھانا تو نہیں پکا سکتی
 کیونکہ اس کے ہاتھ کا پکا یا کوئی کھائے گا نہیں، باقی سارا کام اس نے اپنے
 اوپر لے لیا ہے گائوں میں جہاں چار عورت مرد جمع ہو جاتے ہیں یہی تذکرہ